دوستو! قافلہ درد کا اب کیا ہوگا؟

تحریر: قاری نوید مسعود ہاشمی

18 جمادی الثانی کا چاند آہستہ آہستہ مارگلہ کی پہاڑیوں کے پیچھے چھپتا جا رہا تھا مگر اس کے پیچھے پیچھے دنیائے صحافت کا ایک اور چاند غروب ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا مارگلہ کی پہاڑیوں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر اس نے با جماعت نماز فجر ادا کی، نماز ادا کر کے جیسے ہی مسجد کے ہال سے مسجد کے صحن میں پہنچا تو سناٹے کی گولی اسے دل کے قریب آ لگی اور وہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے وہیں گر گیا اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھا کر ہسپتال لیکن ہسپتال یا ایمبولینس یہاں کہاں؟ مسجد کو تو چاروں طرف سے ''کارگل اور 1971ء کی جنگ کے ہیروز'' نے گھیر ا ہوا تھا مسجد پر تو گولوں اور گولیوں کی بارش ہو رہی تھی اس لئے اس کے ساتھی چاہنے کے باوجود اس کے لئے نہ ایمبولینس کا بندوبست کر سکے اور نہ ہی کسی ڈاکٹر کا صبح پونے پانچ بجے کے لگ بھگ اس کے ایک ساتھی نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ آپ کے ''مقصودؒ'' شدید زخمی ہو گئے ہیں اگر کر سکتے ہیں تو ایمبولینس کا بندوبست کر لیجئے لیکن شاید زندگی میں پہلی مرتبہ میں اتنا بے بس ہوا تھا کہ اپنے ''مقصودؒ'' کیلئے ایمبولینس کا بندوبست نہ کر سکا، بندوبست کرتا بھی تو کیسے؟ وہاں ہر طرف کرفیو تھا، فوج کسی صحافی کو علاقے کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دے رہی تھی اور کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے گولی مارنے کے اعلانات نشر ہو رہے تھے میں ابھی ایمبولینس لے جانے کے طریقے پر غور ہی کر رہا تھا کہ موبائل فون دوبارہ چیخ اٹھا آن کیا تو دوسری طرف علامہ عبدالرشید غازی تھے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی کہا ہاشمی صاحب! یہ فورسز والے تو بڑے وحشی درندے ہیں، ہم تو آج تک انہیں اپنا محافظ سمجھتے تھے لیکن ظالموں نے ایک رات ہی میں جامعہ حفصہؓ اور لال مسجد میں لاشوں کا ڈھیر لگا دیا ہے میں نے پوچھا غازی صاحب لگدر کی کیا صورتحال ہے؟ فرمانے لگے کم از کم 30 بچیوں سمیت 50 کے لگ بھگ شہید طلباء اور طالبات کی نعشیں جامعہ میں پڑی ہوئی ہیں۔ پھر کہا کہ وہ مولانا ''مقصودؒ'' بھی شہید ہو گئے ہیں کیا، ابھی چند منٹ پہلے تو مجھے ایمبولینس کا انتظام کرنے کا کہا گیا ہے؟ یہ کہتے ہوئے مجھے اپنا لہجہ اجنبی سا لگا غازی شہید فرمانے لگے ہاشمی صاحب میں ان کی شہادت کو کنفرم کر رہا ہوں آپ کسی طرح ان کی میت کو وصول کر کے ان کے گھر پہنچانے کی کوشش کریں غازی شہید نے کچھ اور بھی کہا ہوگا لیکن مقصودؒ بھائی کی شہادت کی خبر نے میرے دل کی دنیا زیر و زبر کر دی تھی اس لئے آگے مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا

آنکھوں پہ اختیار ہے اچھا نہ روئیں گے
پر قلب زار زار تو بے اختیار ہے
مرگ مجنوں پہ عقل عم ہے میر
کیا دیوانے نے موت پائی ہے
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو رکھتے تھے جان پہ وہ حساب آج چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن، میرے قاتلوں کو گمان نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن، پس مرگ ہم نے بھلا دیا

3 جولائی منگل کا دن تھا ہر منگل کی طرح اس منگل کو بھی القلم کا تمام سٹاف بڑے انہماک کے ساتھ القلم کی فائنل تیاری میں مصروف تھا سب لیڈ سٹوریز بنا رہے تھے، کمپوز خبروں اور مضامین کی کمپوزنگ میں مصروف تھے، پروف ریڈنگ ہو رہی تھی مقصودؒ بھائی بھی ادارتی صفحہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے موبائل نے گنگنانا شروع کر دیا دوسری طرف کی گفتگو سننے کے بعد وہ جذباتی ہو گئے پھر اچانک کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے، کال ختم ہوئی تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے قاری صاحب لال مسجد میں طلباء اور رینجرز کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے مجھے بھی تھوڑی دیر پہلے اس کی اطلاع مل چکی تھی یہ خبر سن کر پورے سٹاف کا پریشان ہونا ایک یقینی امر تھا دل چاہتا تھا کہ فوراً لال مسجد پہنچیں لیکن القلم کو فائنل تیار کرنے کی ذمہ داری بھی بڑی بھاری تھی سو ہر ساتھی مزید تیز رفتاری سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا غالباً کوئی ڈیڑھ بجے کا وقت ہوگا کہ اچانک میرے کمرے میں مقصودؒ بھائی تشریف لائے ان کے چہرے پر ہیجانی کیفیت تھی میں نے کرسی پیش کی وہ کچھ وقت کیلئے بیٹھے اور کہنے لگے قاری صاحب ''میرا کام مکمل ہو گیا'' ادارتی صفحہ تیار ہے اب میں لال مسجد جا رہا ہوں میں نے عرض کیا کہ جانا تو مجھے بھی ہے لیکن جب تک مفتی عبدالرؤف صاحب القلم کی ذمہ داری سنبھالنے کیلئے دفتر تشریف نہیں لے آتے ہیں میں نکل نہیں سکوں گا آپ ذرا احتیاط سے جایئے گا کیونکہ حالات بہت زیادہ خراب ہونے کی اطلاعات آ رہی ہیں وہ مسکرائے مجھ سے گلے ملے اور دفتر سے نکل گئے اپنی روانگی کے تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے مجھے دوبارہ فون کر کے اپنے لال مسجد میں خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی۔

لیکن چار جولائی کی صبح نماز فجر کے بعد ملنے والی ان کی شہادت کی اطلاع سن کر میرے کانوں میں ان کے کہے ہوئے وہی جملے گونجنے لگے کہ جو انہوں نے القلم دفتر سے روانگی کے وقت مجھ سے خلاف توقع پہلی مرتبہ کہے تھے ''کہ میرا کام مکمل ہو گیا'' واقعی مقصودؒ بھائی کا کام مکمل ہو چکا تھا انہوں نے اپنی چھوٹی سی عمر میں ہی اپنے پیچھے جدوجہد، محنت، عظمت کی بے مثال داستانیں، انمٹ نقوش اور یادوں کا ایسا انمول خزینہ چھوڑا تھا کہ ان کی شہادت کی اطلاع ہوتے ہی ملک بھر کے علماء مجاہدین اور صحافیوں میں کہرام برپا ہو گیا غازی شہید کی اطلاع کے بعد سب سے پہلے میری مفتی عبدالرؤف اصغر صاحب سے بات ہوئی انہوں نے روتے ہوئے کہا کہ بھائی مقصودؒ کی میت کی وصولی کو یقینی بنائیں پھر معروف کالم نگار بھائی طلوع اسیف کا فون آ گیا وہ بھی روتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ بھائی مقصودؒ شہید ہو گئے پھر تو ٹیلیفون کالوں کا تانتا بندھ گیا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون کسے پرسہ دے کس سے تعزیت کرے کس کے ساتھ بیٹھ کر اپنے غم کا بوجھ ہلکا کرے ایسے لگتا تھا کہ جیسے آج ہر آنکھ اشکبار ہے ہر چہرہ غمگین ہے سرسبز وادیوں اور پہاڑوں نے بھی رنج و غم کی چادر اوڑھ لی ہے

اشکوں سے تر ہے ہر اک پھول کی پنکھڑی
رویا ہے کون تھام کے دامن بہار کا

4 جولائی کی سہ پہر مولانا مقصودؒ کے والد محترم کی کوششوں سے شہید کی ڈیڈ باڈی لی تو اس کے پیچھے پیچھے اٹک پہنچے، اٹک شہر سے پہلے ہی سینکڑوں نوجوانوں نے اشکبار آنکھوں سے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے شہید مقصودؒ کا استقبال کیا اور پھر ان کے گھر پہنچنے تک زندہ دلان اٹک نے اپنے شہید سپوت کا ایسا والہانہ استقبال کیا کہ شاید ہی اٹک کی سرزمین نے اس سے قبل کسی شہید کے استقبال کا ایسا

منظر دیکھا ہو سارے راستے فضائیں سبیلنا سبیلنا، الجہاد الجہاد کے نعروں سے تھرتھراتی رہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا وہ کوئی خالی خولی قلم کار ہی تو نہیں تھا وہ تو مجاہد اور عالم بھی تھا اس کی زندگی پر جہاد کی چھاپ تو بہت گہری تھی وہ میدانوں کا شہسوار بھی رہ چکا تھا اس نے میدانوں میں کئی مرتبہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور بھی کر رکھا تھا وہ بہادر اور دلیر بھی تھا میں اکثر کہا کرتا ہوں اگر کوچہ صحافت میں رہ کر سیاسی پارٹیوں کے مفادات کا تحفظ کیا جا سکتا ہے سیکولرازم اور سوشلزم کا پرچار کیا جا سکتا تو پھر ہم جیسے گنہگار شعبہ صحافت میں رہ کر جہادی مفادات کا تحفظ کیوں نہیں کر سکتے ؟

چنانچہ مقصود بھائی نے صحافت میں رہتے ہوئے بھی جذبہ جہاد کو ہمیشہ سربلند رکھا اٹک کی مرکزی مسجد میں جب شہید مقصود کی میت کو رکھا گیا تو ہزاروں انسان شہید کے پرنور چہرے کی زیارت کر کے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانے میں مصروف ہو گئے شہید کے والد محترم (ر) میجر احمد محمود صاحب صبر و شکر کی تصویر بنے ہوئے تعزیت پیش کرنے والوں کو دلاسے دے رہے تھے، انہوں نے راقم کو مسجد میں موجود عوام سے گفتگو کرنے کا حکم دیا تو راقم نے مرکزی مسجد میں موجود ہچکیوں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا مقصود کی نورانیت بتا رہی ہے کہ یہ چہرہ کسی مردے کا نہیں ہے شہید مقصود کی میت سے آنے والی خوشبو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ شہداء لال مسجد کا خون اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی بالادستی کیلئے بہا ہے اور یہ خون کبھی رائیگاں نہیں جائیگا ان شاء اللہ' رات آٹھ بجے مرکزی عیدگاہ اٹک میں شہید کے جنازے کا اعلان ہو چکا تھا ہزاروں نوجوان مقصود بھائی کے گھر کے باہر پہنچ چکے تھے، مقصود شہید کی میت کو اس شان سے عیدگاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ پورے راستے میں تکبیر اور الجہاد کے نعرے گونج رہے تھے جنازے میں شریک ہزاروں افراد پرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے شہید سپوت کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے جنازے میں شریک علماء، صلحاء، مجاہدین، دانشور شہید کے رشتہ داروں اور عوام کے جذبات آنسوؤں کی صورت میں بہہ رہے تھے کہیں مرتبہ شہادت پانے پر تشکر کے آنسو، کہیں غم کے آنسو کہیں فرقت و فراق کے آنسو کہیں ہجر و فراق کی کیفیتوں کے آنسو کہیں ملک و ملت کی نزاری کے آنسو غرضیکہ ہر شخص تڑپ رہا تھا اور مولانا مقصود کی جوانسالہ شہادت دیکھ کر ان کی عظیم قربانی کو سلام عقیدت پیش کر رہا تھا۔

دوستو! قافلہ درد کا اب کیا ہو گا
اب کوئی اور کرے پرورش گلشن غم
دوستو! ختم ہوئی دیدہ تر کی شبنم
ظلم گیا شور جنوں ختم ہوئی بارش سنگ
خاک راہ آج لئے ہے لب دلدار کا رنگ
کوئے جاناں میں کھلا میرے لہو کا پرچم
دیکھئے دیتے ہیں کس کس کو صدا مرے بعد

بلا مبالغہ مولانا مقصود شہید کے جنازے میں 25 ہزار سے زائد افراد جس والہانہ اور عاشقانہ انداز میں شریک ہوئے وہ شہید کے خون کی برکت کے سوا کچھ نہ تھا شہید کے جنازے کی آب و تاب اور والہانہ پن دیکھ کر ہر شخص یہ کہنے پر مجبور تھا کہ جنہوں نے لال مسجد میں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگین کئے ہیں ان کے مقدر میں رسوائیاں اور ذلت و خواری لکھ دی گئی ہے لال مسجد پر بم برسانے والے شیطان کے پجاری تھے وہ ظالم، وحشی اور درندے تھے انہوں نے تو مقصود کو اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھایا تھا مگر مقصود شہادت کا رتبہ پا کر ہمیشہ کیلئے امر ہو گیا

پکار دو کہ اٹھی ہے شہید کی میت
زمانہ پیچھے چلے اور سر جھکا کے چلے

مقصود شہید نے اپنی 28 سالہ مختصر سی زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ بیس کتابوں کے مصنف، مایہ ناز کالم نگار، متعدد جریدوں کے ایڈیٹر اور مستند عالم بھی تھے لیکن میرے نزدیک ان کا سب سے نمایاں وصف یہ تھا کہ ان سب خصوصیات کے ہوتے ہوئے وہ "مجاہد" بھی تھے اور جہاد کو ہی اسلامی انقلاب کا ذریعہ سمجھتے تھے کتابوں کے مصنف کالم نگار اور ایڈیٹر اور بھی بہت سے ہوں گے لیکن مجاہد بننا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے مجھے یاد ہے کہ جس وقت سات مساجد کی شہادت کے بعد لال مسجد میں احتجاجی تحریک شروع ہوئی تو راقم کے ساتھ ساتھ مقصود بھی اپنی صحافتی ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے سینہ سپر ہو گئے پھر روکنے والوں نے بھائی مقصود کو بہت روکا حالات سے ڈرایا گرفتاری کا خوف دلایا، لیکن وہ عجیب بہادر انسان تھا وہ ڈرنے کی بجائے مزید ڈٹتا چلا گیا اور اس نے اپنی ذمہ داریوں کو خوب خوب نبھایا اور بالآخر وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی سربلندی کیلئے صحن مسجد میں جام شہادت نوش کر گیا۔

باریابی جو تمہاری ہو حضور مالک
کہنا میرے کچھ ساتھی سوختہ جاں اور بھی ہیں
اپنے رستے ہوئے زخموں کو دکھا کر کہنا
ایسے تمغوں کے طلبگار وہاں اور بھی ہیں